OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

عربوں میں طلاق کی روایت اور شریعت اسلامیہ: ایک تجزیاتی مطالعہ

The Tradition of Divorce among Arabs and Islamic Sharīʻah: An Analytical Study

Usman Ali

Doctoral Candidate, Institute of Islamic Studies, Punjab University, Lahore

Prof. Dr. Ghulam Ali Khan

Professor, Institute of Islamic Studies, Punjab University Lahore

Abstract

The constant practices of generations give rise to a unique culture for each region, nation, and tribe. These cultural differences can be attributed to varying factors such as food, weather, and habits. This article examines the Arab culture prior to Islam and its perspective on divorce. Important topics discussed in the article include the definition and methods of divorce, women's right to divorce, divorce statistics, reasons for divorce, Rajjo and Eddat, regulations regarding previous pregnancy, and rules regarding family expenses and residence. By comparing Arab traditions under Islamic law, the article aims to demonstrate that not all traditions were rejected, but rather unacceptable practices were eliminated, acceptable practices were retained, and those that required improvement were reformed to become part of the religion. This methodological approach is critical in addressing cultural issues.

Keywords: Arab Culture, Divorce, Eddat, Islamic Law, Arab Tradition, methods of Divorce

تمہید

جب فریقین میں کوئی معاہدہ ہوتا ہے تو نیت اسے نبھانے اور اسی بنیاد پر پیش رفت کی ہوتی ہے۔ بسا اوقات ناگزیر وجوہات کی بنیاد پر یہ معاہدہ توڑنا پڑتا ہے۔ اس معاہدے کو ختم کرنے کے اصول وضوابط ہوتے ہیں اور اس وجہ سے جو اثرات مرتب ہوتے

ہیں ان کا حل بھی پیش نظر ہوتا ہے۔ فریقین کے لین دین اور حقوق سے متعلقہ امور بھی حل طلب ہوتے ہیں، اگر کسی معاملے میں فریقین بضد ہوں تو اعلیٰ اتھارٹی کا وجود بھی ضروری امر ہے۔ نکاح بھی فریقین میں ایک معاہدہ ہوتا ہے، اس نکاح کو اگر کبھی ختم کرنا پڑے تو اس کا طریقہ ہر معاشرے میں متعین ہوتا ہے، اسی کو طلاق کہتے ہیں۔ دین اسلام نے طلاق سے متعلقہ قواعد و ضوابط مقرر کیے ہیں، ایسے ہی ہر قوم کا کلچر ہوتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں طلاق سے متعلقہ اصول وضوابط ہمارے پیش نظر ہیں اس آرٹیکل میں اسی بارے بحث ہو گی۔

طلاق کا معنیٰ ومفہوم

لفظ طلاق کا مادہ "طلق" ہے جس کا معنیٰ آزادی اور رہائی ہے، جب کہا جائے "طَلَقَ طَلاقاً" اس کا معنی ہوتا ہے "تحرّر من قیدہ" اس کی قید سے آزاد ہو گیا۔ جب کہا جائے: "طلق المراۃ من زوجھا"، تو اس کا معنی ہوتا ہے "تحلّلت من قید الزوج" وہ عورت خاوند کی قید سے آزاد ہو گئی۔[1] لسان العرب میں ہے کہ طلاق کا ایک معنیٰ جدائی ہے: " طلقت البلاد اوالناسَ ای فارقتُها و ترکتهم " میں شہر سے جدا ہو گیا اور لوگوں کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ طلاق النساء کا معنی "حل عقدۃ النکاح" ہے یعنی معاہدہ نکاح ختم ہو جانا۔[2]

اصطلاحی معنی

علامہ سیوطی کے ہاں اصطلاحا طلاق کا معنیٰ یہ ہے: " الطلاق : رفع قيد النكاح بلا فسخ۔ "فسخ کے بغیر نکاح کی قید ختم کرنا طلاق ہے۔[3] علامہ ابن قدامہ کے ہاں طلاق کا معنیٰ قید نکاح کا ختم کرنا ہے۔ "الطلاق حل قيد النكاح"[4] زیادہ جامع تعریف موسوعۃ فقہیہ میں ہے۔ "الطلاق فی عرف الفقهاء : رفع قيد النكاح فی الحال او المآل بلفظ مخصوص اوما" فقہاء کے ہاں طلاق سے مراد مخصوص الفاظ وغیرہ کے ساتھ ابھی یا آئندہ وقت میں قید نکاح کو ختم کرنا ہے۔[5]

الفاظِ طلاق

اس دور کے عام کلچر کی طرح عربوں میں بھی حق طلاق مرد کو حاصل تھا، وہ درج ذیل الفاظ کے ساتھ طلاق دیتے تھے:

1۔ "حبلكِ على غاربک" تیری رسی تیرے کندھے پر، مطلب اب تو آزاد ہے۔

2۔ "أنت مُخليً كهذا البعير" تو اس اونٹ کی طرح آزاد ہے۔

3۔ "الحقی با هلک" اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا۔

4۔ "اِختَرت الظباء على البقر" میں نے گائے کے مقابلے میں ہرن اختیار کر لیا۔ یہ بھی کنایۃ طلاق تھی۔

5۔ "فارقتک" میں نے تجھ سے علیحدگی اختیار کر لی۔

6۔ "سَرَّ حتُک" میں نے تجھے رخصت کر دیا۔

7۔ "انت خلیۃ او بریۃ"۔ تو آزاد ہے۔[6]

مذکورہ بالا تمام الفاظ طلاق ہیں یا طلاق سے کنایہ ہیں، ان سب جملوں پر بدوی رنگ نمایاں ہے، یہ اور اس طرح کے دیگر الفاظ اعرابی رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ طلاق کے لئے صریح لفظِ طلاق کے علاوہ وہ دیگر الفاظ اور جملے بھی معتبر ہوتے ہیں جو اس علاقے کا کلچر ہوں اور ان سے مراد طلاق لیا جاتا ہو۔ دین اسلام نے بھی طلاق کے کوئی مخصوص الفاظ رائج نہیں فرمائے اور نہ زمانہ جاہلیت کے ان الفاظ کو بدلا ہے۔

عربوں میں طلاق کا معمول بہ طریقہ

زمانہ جاہلیت میں عربوں کے ہاں طلاق کے کئی طریقے معروف تھے لیکن جو معمول بہ اور مشہور طریقہ تھا وہ عین وہی ہے جو اسلام نے باقی رکھا ہے۔ عورت سے مکمل علیحدگی کے لئے تین طلاق کا طریقہ رائج تھا۔ اہل عرب اس کے سنت ہونے کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگر مرد ایک یا دو طلاق دیتا تو وہ عورت سے رجوع کرحق رکھتا تھا مگر تین طلاق کے بعد طلاق بائنہ ہو جاتی، اس کے بعد مرد جو بھی عذر پیش کرتا وہ رجوع نہیں کر سکتا تھا۔[7] اس معمول بہ طریقے کے علاوہ اور بھی طلاق کے مختلف طریقے تھے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ظہار

عربوں میں طلاق کا ایک طریقہ ظہار بھی تھا اور یہ طلاق کے طریقوں میں سب سے شدید طریقہ تھا، ظہار کے بعد عورت اپنے خاوند کے لئے حرام ہو جاتی اور طلاق ہو جاتی۔ ظہار کا طریقہ یہ تھا کہ مرد اپنی بیوی کو کسی حرمت والے رشتے سے تشبیہ دے دیتا یا اس حرمت والے رشتے کے جسم کے کسی حصے سے تشبیہ دیتا مثلاً "انت علیّ کظہر امّی" تو میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرف ہے۔ یا کہتا تو میرے لئے میری ماں، خالہ، بہن یا پھوپھی کے پیٹ کی طرح ہے، یا ان کی ران کی طرح ہے یا ان کی شرمگاہ کی مانند ہے۔[8] طلاق ظہار کی بڑی وجہ عربوں کا غصہ، جلد بازی اور طیش والی کیفیت ہے۔ نزولِ اسلام کے بعد اس کو طلاق تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ ظہار کا کفارہ رکھ دیا گیا اور بیوی کو بیوی ہی تسلیم کیا گیا۔ سورۃ المجادلہ کی ابتدائی چار آیات میں ظہار کے احکام بیان کئے گئے ہیں کہ جن عورتوں کو تم اپنی ماں کہہ کر ظہار کرتے ہو وہ تمہاری مائیں نہیں بن گئیں، ایسا کہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے ایک غلام آزاد کرنے یا مسلسل ساٹھ روزے رکھنے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا فدیہ لاگو کر دیا تا کہ یہ غلط رسم ختم ہو جائے۔[9] ان آیات سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ ظہار سے زمانہ جاہلیت کی طرح طلاق نہیں ہوتی البتہ بیوی سے جنسی تعلق حرام ہو جاتا ہے اور وہ تب تک حرام رہتا ہے جب تک مرد اپنے اس برے فعل کا فدیہ نہ ادا کر دے۔ گویا یہ ظہار غلط فعل ہے اور شریعت بطور سزا خاوند پر فدیہ نافذ کرتی ہے تا کہ وہ آئندہ ایسے حلال رشتے کو اپنی مرضی سے حرام قرار نہ دے، اگر طلاق ہی مقصود ہے تو مرد الگ سے طلاق ہی دے۔

ایلاء

ایلاء کا معنیٰ عورت کو چھوڑنے کی قسم کھانا ہے، بندہ کسی مخصوص وقت تک عورت سے الگ ہونے کی قسم کھالے تو یہ ایلاء کہلاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس وقت کی کوئی تحدید نہیں تھی، مرد کئی دن، کئی مہینے یا کئی سال تک کا بھی ایلاء کر لیتے تھے۔[10] ایلاء کی اس مدت کے دوران خاوند اپنی بیوی سے جنسی تعلقات ختم کر لیتا تھا۔ ان کا زیادہ تر مقصد فقط بیوی کو تنگ کرنا ہوتا تھا۔ مرد کی تو کئی بیویاں ہوتی تھی جن سے وہ تعلق قائم رکھ سکتا تھا جبکہ عورت اتنا عرصہ اپنے جنسی و دیگر متعلقہ حقوق سے محروم ہو جاتی کیونکہ وہ اسی ایک خاوند کی منکوحہ ہوتی تھی، گویا ایسی صورت میں بیوی کی حق تلفی ہوتی تھی۔ شریعت اسلامیہ نے عورت کو حق تلفی سے بچانے کے لئے ایلاء کی مدت محدود اور متعین کر دی۔ مرد زیادہ سے زیادہ فقط چار ماہ تک ایلاء کر سکتا ہے۔ اس سے کم کی کوئی قید نہیں چاہے دو دن ہو، ایلاء کی اس مدت کے دوران اگر خاوند بیوی سے رجوع کرنا چاہے تو اسے قسم توڑنے کا کفارہ دینا ہو گا۔ لیکن اگر وہ پوری مدت بیوی سے الگ رہے، مدت پوری ہونے کے بعد بیوی سے تعلق قائم کرے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہو گا۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے ایک ماہ تک اپنی ازواج سے ایلاء کیا اور مدت پوری کی، اس طرح آپ ﷺ نے کوئی کفارہ

ادا نہیں کیا۔[11] چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد یا خاوند بیوی سے رجوع کرے یا طلاق دے ورنہ قاضی کے سامنے زبردستی اس سے فیصلہ کروایا جائے گا۔[12] اس مسئلے کی تفصیلات کے لئے تفسیر الطبری میں سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 226 کے تحت تفسیر ملاحظہ کیجیے۔

خلع

خَلَع الثوبَ کا معنٰی ہے "کپڑا اتار دیا"۔ گویا خلع وہ ہے جب نکاح والی چادر عورت اتار دے۔ بلوغ الارب میں ہے: "خلع سے مراد عورت وہ مال واپس کر دے جو خاوند نے اسے دیا ہو اور اس کے بدلے اس خاوند سے جدا ہو جائے۔[13] عموماً طلاق مرد کا ہی حق ہوتا ہے مگر ایک صورت میں عورت حقِ طلاق نہ ہونے کے باوجود خاوند سے الگ ہو سکتی ہے وہی خلع ہے۔ عورت مرد دونوں ایک رقم وغیرہ پر اتفاق کر لیتے تھے عورت وہ رقم خاوند کو دے کر اس سے جدا ہو جاتی، روایات میں آتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کا سب سے اولین خلع عامر بن الظرب نے کیا تھا، اس نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے بھتیجے عامر بن حارث بن ظرب سے کی، لیکن عامر کی بیٹی نے اپنے خاوند کو ناپسند کیا، بھتیجے نے اس بات کی شکایت اپنے چچا سے کی تو چچا نے کہا میں یہ نہ ہونے دوں گا کہ تیری بیوی بھی جائے اور حق مہر بھی۔ اس نے اپنے بھتیجے کو حق مہر واپس کر کے اس سے اپنی بیٹی کے لئے طلاق لے لی۔ صاحبِ امالی ابن درید کے ہاں یہاں سے عرب میں خلع کا رواج ہوا۔[14] اگرچہ حقِ طلاق فقط مرد کو حاصل ہے لیکن اسلام کی رو سے عورت مجبور محض نہیں ہے۔ اسے حق حاصل ہے کہ اگر وہ رشتہ نکاح برقرار نہیں رکھنا چاہتی تو اصولی طریقے سے مرد سے علیحدگی اختیار کر لے یہی خلع ہے۔ قرآن پاک میں ہے: "فلاح جناح علیهما فیما افتدت به"[15] ان دونوں پر [نکاح ختم کرنے میں] کوئی گناہ نہیں جب وہ عورت اس کے بدلے خاوند کو کچھ (رقم) وغیرہ دے۔ اسلامی شریعت کی رو سے اگر عورت خود کو ملا ہوا حق مہر واپس کر کے خلع لے لے تو درست ہے یا وہ رقم وغیرہ واپس کر دے جن پر خاوند بیوی کے درمیان اتفاق ہو جائے۔ صحیح بخاری میں حضرت ثابت بن قیس کی بیوی نے اپنے شوہر کے ساتھ رہنا ناپسند کیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو باغ ثابت نے تمہیں دیا تم واپس کر دو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے دونوں کے درمیان تفریق کر دی۔[16] اس مسئلے کی دیگر تفصیلات کے لئے تفسیر ابن کثیر میں سورۃ البقرۃ کی آیت 229 کی تفسیر اور دیگر کتب فقہ ملاحظہ کریں۔

شوہر کی طرف سے بوقت طلاق یا خلع شرائط عائد کرنا

زمانہ جاہلیت میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ بوقت طلاق یا خلع شوہر اپنی بیوی پر کچھ حدود و قیود نافذ کر دیتے اور ایسا وہ اپنی غیرت یا کثرت حمیت کی بنا پر کرتے تھے تاکہ ان کی منکوحہ سے کوئی اور شادی نہ کر سکے۔ ایسے مواقع پر وہ عورت کو اور اس کے اہل و عیال کو ڈراتے دھمکاتے یا انہیں کچھ مال وہ دولت دے کر انہیں اس بات پر راضی کرتے کہ وہ اپنی عورت کا فلاں فلاں سے نکاح نہ ہونے دیں یا اسی طرح کے دیگر حیلے اختیار کرتے۔[17] قرآن پاک نے اہل عرب کے اس برے فعل کی ممانعت فرمادی کہ یہ عضل میں داخل ہے اور وہ اسلام میں ممنوع ہے۔ "و اِذا طلقتم النساء فبلغن اَجلهن --- تراضوا بینهم با لمعروف"[18]

"اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت بھی پوری کر لیں تو تم اس بات میں مزاحم نہ بنو کہ وہ اپنے ہونے والے شوہروں سے نکاح کریں۔ جبکہ وہ آپس میں راضی ہوں" زمانہ جاہلیت کے اس رویے کے بارے کتاب المنمق میں ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ ضباعۃ بنت عامر ایک خوب صورت خاتون تھیں اس کا جاہلی سردار عبد اللہ بن جدعان تیمی سے نکاح ہو گیا،

بعد میں اس عورت کو ہشام بن مغیرہ مخزومی پسند آ گیا اس خاتون نے اپنے خاوند عبد اللہ بن جدعان سے طلاق (خلع) مانگی تو ابن جدعان نے کچھ شرائط سے طلاق دینا منظور کر لی۔

1۔ تم ہشام بن مغیرہ سے شادی نہ کرو گی۔

2۔ اگر اس سے شادی کرنی ہے تو مزید کچھ سزائیں رکھی جن کو پورا کرنا ہو گا۔

3۔ ایک شرط یہ تھی کہ شادی سے پہلے تم بیت اللہ کا برہنہ طواف کرو گی۔[19]

عضل

مذکورہ بالا صورت سے ملتی جلتی ایک صورت پر تھی کہ مرد عورت کو طلاق دیتا پھر جب عدت ختم ہونے لگتی تو اس سے رجوع کر لیتا۔ اس طرح اسے سو بار بھی کرنا پڑتا تو کرتا مقصد عورت کو تنگ کرنا ہوتا یا کوئی خاندانی بدلہ لینا ہوتا تاکہ وہ معلق رہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ کی آیات 231-229 میں اس فعل کی بھی ممانعت فرما دی اور طلاق کی تعداد مقرر فرما دی۔ ایک صورت یہ بھی تھی کہ مرد عورت کو اپنے سے الگ چھوڑ دیتا نہ اس سے تعلق قائم کرتا اور نہ اسے طلاق دیتا۔ اس طرح اسے تنگ کر کے مجبور کرتا کہ وہ عورت اسے کچھ رقم دے کر نئی شادی کی اجازت لے لے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کی آیت نمبر 19 میں اس فعل کی ممانعت فرما دی۔ "لایحل لکم ان ترثوا النساء کرھاولا تعضلو ھن لتذھبوا ببعض ما اتیتمو ھن" "تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بنو اور انہیں نکاح سے اس لئے نہ روکو کہ تم اپنا دیا ہوا کچھ (حق مہر) واپس لے سکو" حضرت ابن عباس فرماتے ہیں "عورت کا کوئی قریبی وارث عورت کو نکاح سے روکے رکھتا یہاں تک وہ فوت ہو جائے یا عورت کچھ رقم دے کر جان چھڑا لے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے روک دیا"[20] دین اسلام ایسی غلط شرائط یا عضل جیسی قبیح عادتوں سے روکتا ہے جس سے عورت کے حقوق پر زد پڑتی ہے اسی وجہ سے یہ امور ممنوع قرار پائے۔

مذاق میں طلاق

زمانہ جاہلیت میں ایک یہ رسم بد بھی تھی کہ مرد اپنی بیوی کو طلاق دیتا پھر کچھ وقت بعد کہتا میں نے تو مذاق کہا تھا۔ یا نکاح کرتا پھر کہتا میں تو مذاق کر رہا تھا۔ اس فعل کا مقصد عورت کو تکلیف پہنچانا تھا۔ اسلام نے اس فعل کو حرام قرار دیا اور اس کی ممانعت کے اقدامات فرمائے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 231 اسی فعل بد کی ممانعت میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ " ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر کہا میں تو مذاق کر رہا تھا تب یہ آیات نازل ہوئیں۔[21] اس برے فعل سے روکنے کے لئے حضور اکرمؐ نے مذاق میں طلاق کو اصل طلاق قرار دیا تاکہ لوگ اس رسم بد کو ترک کر دیں اور اس کی سنگینی کو سمجھیں۔ فرمان رسولؐ ہے۔ "ثلاث جدھن جدو ھزلھن جد، النکاح و الطلاق والرجعة"[22] تین کام سنجیدگی میں ہوں تو بھی حقیقت ہیں۔ اگر مذاق میں ہوں تو بھی حقیقت ہیں نکاح، طلاق اور رجوع۔

زبردستی کی طلاق

چونکہ طلاق کا اختیار مرد کے پاس تھا۔ اس لئے ایسے مراحل بھی درپیش ہوتے جہاں عورت خاوند کے ساتھ رہنا نہ چاہتی اور مرد طلاق نہ دینا چاہتا، تب اگر عورت کے ورثاء طاقت ور ہوتے تو وہ خاوند کو ڈرا دھمکا کر یا مار پیٹ کر اس سے طلاق لے لیتے اور اسے عرب معاشرے میں مشروع طلاق ہی سمجھا جاتا تھا۔ جیسا کہ عرب شاعر اعشیٰ کا معاملہ معروف ہے اعشیٰ کی شادی بنی عنز کی ایک عورت سے ہوئی بعد میں عورت کے اولیاء نے یہ شادی پسند نہ کی تو انہوں نے اعشیٰ کے پاس آ کر دھمکی دی کہ ہماری

عورت کو طلاق دو ورنہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ بعد میں اعشیٰ نے طلاق دے دی۔[23] اسلام میں زبر دستی کی طلاق معتبر نہیں ہے۔ ایک تو قرآن پاک کی عمومی آیت مبارکہ ہے "لا اکراہ فی الدین"[24] دین میں زبر دستی نہیں ہے دوسرا رسول اکرمؐ کی حدیث مبارکہ ہے۔"لا طلاق ولا عتاق فی الاغلاق"[25] زبردستی سے نہ طلاق ہوتی ہے اور نہ غلام کی آزادی۔ اس کے علاوہ زمانہ جاہلیت میں غصے اور نشے کی حالت میں دی ہوئی طلاق بھی معتبر تھی لیکن یہ سب کے ہاں متفقہ نہ تھا بعض قبائل میں تھا۔[26] مسلم فقہاء میں بھی مؤخر الذکر دونوں امور مختلف فیہ ہیں۔

عورت کا حقِ طلاق

عام طور پر حق طلاق مرد کے پاس ہوتا تھا لیکن اہل عرب میں کچھ ایسی صاحبات شرف و منزلت عورتیں بھی تھیں جو بوقت نکاح طلاق کا اختیار اپنے پاس رکھ لیتیں اور یہ بات نکاح کی شرائط میں طے پاتی۔ ایسی چند عورتوں کے نام علامہ ابن حبیب نے کتاب المحبر میں شمار کئے ہیں مثلاً سلمٰی بنت عمرو بن زید الخزرجیۃ، فاطمہ بنت الخرشب انماریۃ، ام خارجہ، ماریہ بنت الجحید اور عاتکہ بنت مرّۃ وغیرہ۔[27] زمانہ جاہلیت میں عورت کی طرف سے طلاق کا طریقہ بہت عجیب تھا، عورت زبان سے کچھ نہ بولتی بلکہ جس خیمے میں رہائش پذیر ہوتی اس کے داخلی دروازے کی سمت بدل دیتی۔ اگر دروازہ مشرق کی جانب ہوتا تو مغرب کی طرف کر دیتی اگر شمال کی طرف ہوتا تو اس کا منہ جنوب کی طرف کر دیتی جب خاوند خیمے کی یہ حالت دیکھتا تو سمجھ لیتا کہ اس عورت نے مجھ سے علیحدگی اختیار کرلی ہے اور اس خیمے میں داخل نہ ہوتا۔ (یہ اہل وبر کا طریقہ تھا)[28] دین اسلام کی رو سے اگر بوقت نکاح ایسی کچھ شرائط متفقہ طور پر رکھی جائیں تو ان کی پابندی لازمی ہے بصورت دیگر شریعت اسلامیہ میں علیحدگی کے لئے عورت کو خلع کا حق حاصل ہے۔

تعدادِ طلاق

کچھ عرب علاقوں میں تین طلاق کے بجائے لاتعداد طلاق کا رواج تھا۔ مرد ایک ہی موقع پر سو بار طلاق کہہ دیتا پھر بھی وہ عورت سے رجوع کا حق رکھتا۔ ایک مرد عورت کو طلاق دیتا جب عدت ختم ہونے لگتی تو رجوع کرلیتا اور ایسا کئی بار کرتا، کیونکہ ان کے ہاں تعدادِ طلاق غیر محدود تھی۔ اگرچہ سب قبائل میں ایسا نہیں تھا۔ تفسیر طبری میں ہے ایک انصاری اپنی بیوی پر غضب ناک ہو گیا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا نہ میں تجھے طلاق دوں گا نہ تیرے قریب آؤں گا۔ جب تیری مدت پوری ہونے لگے گی میں رجوع کرلوں گا، اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہے گا اس عورت نے حضور اکرمؐ سے اس بارے شکایت کی تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ "الطلاق مرتان فا مساک بمعروف او تسریح باحسان"[29] طلاق دو بار ہے اس کے بعد بیوی کو یا معروف طریقے پر رکھ لو یا پھر اچھے طریقے سے رخصت کر دو۔[30] روایات کے استقراء سے محسوس ہوتا ہے کہ عرف لوگ مکمل طلاق اسے سمجھتے تھے جب عدت بھی پوری ہو جائے۔ اگر کسی طلاق کے بعد مرد دوران عدت ہی بیوی سے رجوع کر لیتا تو وہ اسے طلاق شمار نہ کرتے تھے اسی وجہ سے وہ دسیوں بار اس عمل کو دوہرا لیتے تھے۔ ورنہ اس سے پہلے اعشی کے قصے اور دیگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر عرب تین طلاق کے بعد علیحدگی کے قائل تھے۔

اسبابِ طلاق

دیگر معاشروں کی طرح زمانہ جاہلیت کے عرب معاشرے میں طلاق کے متعدد اسباب تھے، عورت کے کسی فعل کو خاوند ناپسند کرتا تو ظہار کرلیتا یا فوری طلاق دے دیتا، گویا طبیعت میں غصہ اس کا بڑا سبب تھا۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ثابت بن قیس شدید

غیض وغضب کے حامل تھے اس وجہ سے ان کی بیوی نے خلع لیا، اسی طرح حضرت اوس بن صامت بھی شدید غصے والے تھے اس وجہ سے انہوں نے اپنی بیوی حضرت خولہ بنت ثعلبہ سے ظہار کر لیا۔[31] ایک سبب کسی اور کے ساتھ تعلق بنالینا تھا جیسا کہ عبداللہ بن جدعان کے قصے میں گزرا ہے۔ کبھی خاوند عورت کو سزا کے طور پر طلاق دیتا، کبھی اس سے یا اس کے خاندان سے بدلہ لینے کے لئے ایسا کرتا۔ کبھی فقروفاقہ کی وجہ سے، کبھی عورت کے بانجھ ہونے کی وجہ سے کبھی صرف بیٹیوں کی پیدائش کی وجہ سے اور اسی طرح کے چند دیگر معاشرتی اسباب تھے جو موجب طلاق تھے۔[32]

طلاقِ ثلاثہ کے بعد عورت کی حلّت کا طریقہ

عربوں کے ہاں یہ رواج تھا کہ جب مرد عورت کے طلاق دے دیتا بعد میں اپنے فعل پر شرمندگی ہوتی یا دونوں خاوند بیوی دوبارہ جمع ہونا چاہتے تو وہ ایک یا دو طلاق کے بعد فقط خاوند کے رجوع سے جمع ہو جاتے بشرطیکہ رجوع عدت کے دوران ہو اگر طلاق ثلاثہ کے بعد ایسا کرنا ہوتا تو عورت کے لئے شرط تھی کہ وہ کسی اور سے شادی کے بعد طلاق لے پھر پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ حضور اکرمؐ سے پہلے عرب میں یہ رواج جگہ پا چکا تھا کہ عورت کو پہلے خاوند کے لئے حلال کرنے کی خاطر نکاح ہوتا جسے اصطلاحاً نکاحِ حلالہ کہتے ہیں۔ حضور اکرمؐ نے اسی وجہ سے اس نکاح کو لعنتی نکاح قرار دیا کہ آپؐ کی موجودگی میں اس پر عمل ہو رہا تھا جو زمانہ جاہلیت کا تسلسل تھا آپؐ کا فرمان ہے۔"اَلاَ اخبرکم بالتیس المستعار، قالوا بلی یارسول اللہ۔ قال" ھوالمحلل ، لعن اللہ المحلل و المحلل لہ[33] "کیا میں تمہیں کرائے کے سانڈ بارے خبر نہ دوں صحابہ نے کہا کیوں نہیں یارسول اللہؐ، آپ نے فرمایا" وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے اور کرانے والے پر لعنت کی ہے"۔ شریعت اسلامیہ میں بھی تین طلاق کے بعد پہلے خاوند کے لئے حلت کا طریقہ نیا نکاح اور پھر بعد از طلاق یا وفات نیا نکاح ہے لیکن وہ نکاح حلالہ کی طرز پر نہ ہو بلکہ پہلے نکاح کی طرح ہو مزید مجامعت بھی ضروری ہے۔[34]

رجوع اور اس کا طریقہ

زمانہ قبل از اسلام میں مرد ہر طلاق کے بعد عورت سے رجوع کا حق رکھتا تھا چاہے وہ دو طلاق کے بعد ہو یا تین کے یا اس سے بھی زائد طلاقوں کے بعد ان کے ہاں بیوی خاوند کے عقد سے تب آزاد ہوتی جب اس کی عدت کی مدت گزر جاتی۔ اگر عورت عدت کے دوران ہوتی تو خاوند اس سے رجوع کر سکتا تھا، اس کی دلیل سنن ابی داوٗد میں حضرت ابن عباس کی روایت ہے آپ فرماتے ہیں۔ "سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 228، والمطلقت یتربصن بانفسھن۔۔۔ الخ، یہ اس مرد کے بارے نازل ہوئی کہ زمانہ (جاہلیت میں) جب مرد اپنی بیوی کو طلاق دیتا تھا تو وہی اپنی بیوی سے رجوع کا زیادہ حق دار سمجھا جاتا تھا خواہ وہ تین طلاق ہی دے چکا ہوتا، پھر اس عمل کو سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 229 الطلاق مرتان۔۔۔ الخ سے منسوخ کر دیا گیا۔[35] سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 229 ذیل میں امام طبری نے مزید صراحت کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مرد عورت کو طلاق دیتا پھر رجوع کر لیتا حتیٰ کہ ایسا سو بار بھی کر لیتا اسی کی ممانعت میں طلاق کی تحدید دو تک کی گئی، تیسری کے بعد رخصتی ہوتی اور مزید رجوع کا حق ختم ہو گیا۔[36]

عدت کے احکام

زمانہ جاہلیت میں طلاق یافتہ عورت کی کوئی عدت نہیں ہوتی تھی بخلاف متوفی عنھا زوجھا کے، مؤخر الذکر عورت کی عدت ایک سال ہوتی۔ گویا دونوں احکام افراط و تفریط کے شکار تھے۔ ایک طرف مطلقہ کے لئے کوئی عدت نہیں اور دوسری جانب متوفی عنھا زوجھا کے لئے ایک سال کی عدت۔ سنن ابی داوٗد میں حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ کی روایت ہے "کہ انہیں عہد نبوی

میں طلاق ہو گئی جبکہ اس وقت مطلقہ عورت کے لئے کوئی عدت نہ ہوتی تھی، تو اللہ تعالی نے اسماء کی طلاق کے موقع پر عدت کا حکم نازل فرمایا اور یہ پہلی خاتون تھیں جس کے بارے طلاق یافتہ عورتوں کو عدت کا حکم نازل ہوا۔[37] اسی بات کی صراحت ابن حبیب نے فرمائی ہے "وَمن سننهم انه لم يكن للنساء عدة يعتدد نها عند الطلاق"[38] اہل عرب کی عادات میں سے تھا کہ طلاق کے وقت ان عورتوں کی کوئی عدت نہ ہوتی تھی۔ جبکہ شریعت اسلامیہ میں مطلقہ عورت کی عدت تین قروء (حیض / طہر) بیان ہوئی ہے۔ دیکھئے سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 228۔ والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء۔

سابقہ حمل کا حکم

قبل از اسلام عرب معاشرے میں چونکہ طلاق یافتہ عورت کی عدت ہوتی نہیں تھی اس لئے اکثر و بیشتر عورت کسی نئی جگہ فوراً شادی کر لیتی۔ اگر اس دوران عورت کو اتنی مدت میں بچہ پیدا ہو جائے جتنی مدت میں نئے خاوند سے اولاد کا امکان نہیں مثلاً دو تین ماہ کا عرصہ، تو بھی وہ بچہ نئے خاوند کا قرار پاتا۔ چاہے عورت کو یقین ہی ہو تا کہ وہ پہلے خاوند سے حاملہ تھی، یہی عرب روایت رائج تھی اور سب اس کو تسلیم کرتے تھے۔ بعض اوقات ایسے معاملات میں جھگڑے بھی ہو جاتے بچے کا اصل باپ یا اس کے ورثاء اس نئے بچے کے بارے دعویٰ کر دیتے کہ یہ ہمارا ہے جبکہ بعد والا خاوند اس وجہ سے اس بچے کا دعویٰ دار ہوتا کہ کہ اسی کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ ھبیرۃ بن نعمان جعفی نے بیوی کو طلاق دی جب کہ وہ حاملہ تھی پھر اس عورت سے عاصم عقیلی نے شادی کر لی، تین ماہ بعد اس عورت کے ہاں ربیعہ پیدا ہوا۔ اب جعفی نے جھگڑا کیا کہ ربیعہ میرا بیٹا ہے اور عقیلی نے کہا کہ میرا بیٹا ہے حضرت علی نے فیصلہ کیا کہ یہ عقیلی کا بیٹا قرار پائے گا کیونکہ " الولد للفراش: بیٹا اس کا ہے جس کے بستر پر ہوا۔ جبکہ حضرت عمر نے فرمایا کہ جعفی کا ہے کیونکہ والدہ خود اقرار کر رہی تھی کہ یہ جعفی کے حمل سے ہے۔[39] اسی طرح کا ایک واقعہ سعد بن زید مناۃ کا ہے اس نے ایک ناقمیہ عورت سے شادی کی جو پہلے ہی معاویہ بن بکر سے حاملہ تھی بعد میں اس عورت کے ہاں صعصہ کی پیدائش ہوئی۔ جب سعد فوت ہو گیا تو اس کے باقی بیٹوں نے صعصہ کو وراثت میں حصہ نہیں دیا کیونکہ ان کے خیال میں یہ ہمارے والد کی اولاد نہیں ہے۔ ایسے مزید کئی واقعات تاریخ عرب میں ملتے ہیں تفصیل کے کتاب المحبر کا صفحہ نمبر 338،39 ملاحظہ کریں۔ شریعت اسلامیہ نے انہیں جھگڑوں سے بچاؤ کے لئے عدت رکھی ہے تاکہ بچے کی اصلیت واضح ہو سکے ۔ لیکن اگر بدکاری وغیرہ کے نتیجے میں بچہ کسی کے بستر پر پیدا ہوا تو وہ اسی کی طرف منسوب ہو گا جس کے نکاح میں عورت اس وقت موجود ہو گی۔[40]

مطلقہ کے نفقہ و سکنیٰ کا حکم

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب نہ اپنی بیوی کو نفقہ دیتے نہ سکنی، اس کے دلائل مختلف احادیث میں ملتے ہیں جن میں اہل عرب کے سابقہ کلچر کا تذکرہ ہوا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت فاطمہ بنت قیس کا واقعہ مختلف طرق سے بیان ہوا ہے ان کے شوہر ابو حفص بن مغیرہ مخزومی نے ان کو طلاق بائنہ دے دی تو حضرت فاطمہ بنت قیس کو ان کے سسرال والوں نے کہا تیرہ نفقہ ہمارے ذمے واجب نہیں وہ اس بات کی تصدیق کے لئے حضور کریمؐ کے پاس گئیں تو آپؐ نے بھی یہی حکم دیا۔[41] حضرت فاطمہ کے سسرال نے جو نفقے اور سکنی کا انکار کیا وہ جاہلی کلچر کا تسلسل محسوس ہوتا ہے دوسری بات کہ ایام جاہلیت میں تو مطلقہ کے عدت ہی نہ تھی پھر نفقہ یا سکنیٰ کا سوال ہی کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ جبکہ علمائے اسلام میں مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ و سکنیٰ کے بارے اختلاف ہے، ایک گروہ سورۃ الطلاق کی آیت نمبر 6 اور حضرت عمر کی حدیث کی بنیاد پر نفقہ و سکنیٰ دینے کا قائل ہے جبکہ دوسرا گروہ

حضرت فاطمہ بنت قیس کی مذکورہ بالا حدیث کی وجہ سے نفقہ و سکنیٰ دینے کا منکر ہے۔ جبکہ طلاق رجعی کے موقع پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ عورت کے لئے نفقہ اور سکنیٰ دونوں واجب ہیں۔[42]

خلاصۂ بحث

ہر علاقے، قوم اور قبیلے کا ایک مخصوص کلچر ہوتا ہے جو دسیوں نسلوں کے مستقل عمل سے تشکیل پاتا ہے۔ چونکہ مختلف علاقوں اور قوموں کا کھانا پینا، موسم اور عادات مختلف ہوتے ہیں۔ اس طرح ان کے کلچر میں تفاوت ہونا بھی ایک فطری عمل ہے، زیر نظر مضمون میں طلاق کے معاملہ میں قبل از اسلام عرب کلچر کا جائزہ لیا گیا ہے، عربوں میں مروج الفاظِ طلاق، طریقہ طلاق، علیحدگی کے معمول بہ طرق، عورت کا حقِ طلاق، تعدادِ طلاق، اسبابِ طلاق، رجوع اور عدت کے احکام، سابقہ حمل کے احکام اور نفقہ و سکنیٰ کے احکام اس مضمون کے اہم مباحث ہیں۔ ہر موضوع کے تحت عرب روایت کا مابعد اسلامی احکام سے موازنہ کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ تمام عرب روایات شریعتِ اسلامی نے رد نہیں کردی تھیں۔ ناقابلِ قبول کو رد کیا اور قابلِ قبول کو باقی رکھا جبکہ قابلِ اصلاح میں ترمیم کرکے دین کا حصہ بنا دیا۔ پیش آمدہ کلچرل مسائل میں یہ منہجی مطالعہ کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔

References

[1] Mūjām Wāsīt, under root of ط، ل ، ق،
[2] Ibn Manzūr, *Lisān al-'Arab*, under root of ط، ل، ق
[3] Al-Suyūtī, *Mujām Maqālid al-'Uloom* (Qāhirah, Maktabah al-Aadab, 2004), 57.
[4] Ibn Qudāmah, *Al-Mughnī* (Qāhirah: Maktabah al-Qāhirah, 1968), 7:363.
[5] *Al-Musooā al-Fiqhīyah* (Kuwait: Wazārat al-Ūqāf, 2005), 5:29.
[6] Ahmad Ibn Muhammad al-Medanī, *Mājma al-Amsāl* (Beirūt: Dār al-Marifah), 1:179,253,408.
[7] Ibn Ḥabīb, *Kitāb al-Muhabar*, 309.
[8] Tabrī, *Tafsīr-e-Tabrī*, 7:28.
[9] Al-Mujādlah 58: 1-4.
[10] Jawad 'Alī, *Al-Mufasal fī Tarīkh al-'Arab*, 5:431.
[11] Imām Ibn Ismā'īl al-Bukhārī, *Saḥīḥ al-Bukharī*, Ḥadīth no: 5289.
[12] Al-Bukhārī, *Saḥīḥ al-Bukharī*, Ḥadīth no: 5290.
[13] Mahmood Aaloosī, *Baloogh al-'Arab*, 2:49.
[14] Aaloosī, *Baloogh al-'Arab*, 2:50.
[15] Al-Baqarah 2:229.
[16] Al-Bukhārī, *Saḥīḥ al-Bukharī*, Ḥadīth no: 5273.
[17] Jawad 'Alī, *Al-Muffaṣil fī Tarīkh al-'Arab*, 5:432.
[18] Al Baqarah 2:232.
[19] Ibn Ḥabīb, *Kitāb al-Munmiq* (Beirūt: Ālim al-Kitāb, 1985), 1:427.
[20] Imām Abū Dawood, *Sunan Abī Dawood*, Ḥadīth no: 2090.
[21] Ibn Kasīr, *Tafsīr al-Qūran al Azeem* (Qāhira: Dār al-Ḥadīth, 2005), 231.
[22] Abū Dawood, *Sunan Abī Dawood*, 2194.
[23] Ibn Ḥabīb, *Kitāb al-Muhabar*, 309.
[24] Al Baqarah 2:256.
[25] Ibn Mājah, *Sunan Ibn-e-Mājah*, Ḥadīth no: 2046.
[26] Jawad 'Alī, *Al-Muffaṣil fī Tarīkh al-'Arab*, 5:433.

[27] Ibn Ḥabīb, *Kitāb al-Muhabar*, 399.
[28] Aṣfaḥānī, *Kitāb al-Aṣfaḥānī* (Berūt: Dār al-Kutub al-'Ilmiyah, 1986), 16:102.
[29] Al Baqarah, 2:229.
[30] Tabrī, *Tafsīr-e-Tabrī*, 2:276.
[31] Ibn Kasīr, *Tafsīr Ibn-e-kasīr*, 229.
[32] Jawad 'Alī, *Al-Muffaṣil fī Tarīkh al-'Arab*, 5:433.
[33] Ibn Mājah, *Sunan Ibn-e-Mājah*, 1936.
[34] Imām Ahmad Nisa'ī, *Sunan Nisa'ī*, Ḥadīth no: 3443.
[35] Abū Dawood, *Sunan Abī Dawood*, Ḥadīth no: 2195.
[36] Tabrī, *Tafsīr-e-Tabrī*, 2:276.
[37]Abū Dawood, *Sunan Abī Dawood*, Ḥadīth no: 2281
[38] Ibn Ḥabīb, *Kitāb al-Muhabar*, 338.
[39] Ibn Ḥabīb, *Kitāb al-Muhabar*, 338.
[40] Al-Bukhārī, *Saḥīḥ al-Bukharī*, Ḥadīth no: 7182.
[41] Imām Muslim al-Qusheyrī, *Saḥīḥ al-Muslim*, Ḥadīth no: 3700.
[42] Ibn Kasīr, *Tafsīr Ibn-e-Kasīr*, Sūrah Ṭalāq 65:6.